محمد عبداللہ قریشی

امام ادب مولانا فیض الحسن سہارنپوری

"پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے ماضی میں جو نامور شخصیتیں متعلق رہی ہیں ان کی طویل فہرست میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ مولانا مرحوم ہماری اس قدیم علمی بزم کی آخری شمع تھے جو صدیوں تک تہذیبِ اخلاق اور تنویرِ فکر و ذہن کا سرچشمہ رہی۔ یہ شمع بجھی تو احوال میں ایسا انقلاب آیا کہ نہ وہ بزم اپنی پہلی حالت پر باقی رہی اور نہ علم و فضل کے وہ اجماع خصائص کسی فرد سے بیج سکے جنھیں صدیوں تک ہمارے ہاں اعزاز اور احترام کا بلند مقام حاصل رہا۔ آج بھی ان کی طرف سب کی نظریں انتہائی احترام سے اٹھتی ہیں۔ مولانا نے خاصی لمبی مدت لاہور میں گزاری اور دورِ آخر میں انھیں کے وجود کی برکت سے لاہور کو یہ عزت نصیب ہوئی کہ مولانا شبلی مرحوم جیسے اکابر استفادے کی غرض سے شدِ رحال کر کے یہاں آئے۔ لیکن یہ کتنے تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ اب تک مولانا کے صحیح، مستند اور مفصل احوال و سوانح کا کوئی مستند مرقع مرتب نہ ہو سکا۔ اہلِ علم کو زیادہ سے زیادہ ان معلومات پر قناعت کرنی پڑی کہ مولانا کا وطن سہارنپور تھا۔ وہ عربی کے بہت بڑے ادیب تھے اور اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسری کے عہدے پر مامور رہے۔ کم و بیش نصف صدی میں کسی کو مولانا کے احوال کی جستجو کا خیال نہ آیا یا یہ سمجھنا چاہیے کہ وسائل کی فرومائگی اور تحقیق و جستجو کی مشکلات کے باعث کوئی بھی اس دشوار گزار منزل میں قدم رکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔[1]"

نام و نسب

مولانا فیض الحسن محلہ شاہ ولایت سہارنپور (یوپی - بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد

---

[1] اقتباس از مکتوب مولانا غلام رسول مہر بنام محمد عبداللہ قریشی مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۵۶ء (غیر مطبوعہ)

خلیفہ علی بخش، دادا خدا بخش اور پردادا قلندر بخش تھے۔ علم دوست ہونے کی وجہ سے اس خاندان کے افراد کو "خلیفہ" کہتے تھے۔ مولانا فیض الحسن نے اپنی بعض تصانیف[۲] میں اپنے نام کے ساتھ "قریشی، حنفی، چشتی" کا اضافہ بھی کیا ہے۔

مولانا کے والد خلیفہ علی بخش فہم و ذکا کی دولت سے مالا مال تھے۔ حافظہ بلا کا تھا۔ تحریر و [illegible] ماسوا قرآن مجید کے حافظ تھے۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے۔ بخاری شریف ایک ماہ میں ختم کر لیا کرتے تھے۔

پیدائش اور بچپن

مولانا فیض الحسن ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے[۳]۔ ابتدائے ہوش سے ہونہار تھے۔ بچپن میں سر ہلانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ ضعیف الاعتقاد لوگ بھوت پریت کا اثر سمجھتے تھے۔ شرارتی ہم عمر لڑکے آپ کو "فیفو بھوت" کہا کرتے تھے۔ شوخی کا یہ عالم کہ مکتب سے آتے پیر کو جھٹکا دیا تو ایک پوائی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اب دوسرا پیر جھٹکا تو یہ پوائی پہلی کے پاس جا پہنچی۔ تختی ادھر پھینکی۔ بستہ ادھر پٹکا۔ اور یہ جا وہ جا۔ تھوڑی دیر میں ہر طرف سے ہاہاکار اور چیخ پکار کی آوازیں آنے لگتیں۔ تمام محلہ والوں کی جان عذاب میں مبتلا ہو جاتی۔

لڑکپن کھیل کود اور کنکوے بازی میں گزرا۔ آغاز شباب میں پہلوانی کا شوق ہو گیا۔ اپنی برادری کے ایک پہلوان استاد معزالدین[۴] کے اکھاڑے میں ورزش کرنے لگے۔ تیرہ چودہ برس کی عمر تک اس دھندے کے سوا دوسرا کوئی ہنر ہی نہ سیکھا۔

تحصیلِ علم

جب غفلت کے پردے آنکھوں سے ہٹ گئے تو آپ تحصیلِ علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ دماغ

---

[۲] ریاض الفیض، ص ا۔ نسیم فیض مطبوعہ مطبع فیض عام لاہور، (۱۳۲۱ھ)، ص ۲۴

[۳] رسالہ شباب اردو لاہور، بابت ماہ مئی ۱۹۲۲ء، ص ۶۸۔

[۴] استاد معزالدین کے صاحبزادے نیاز احمد صاحب قیام پاکستان تک زندہ تھے۔

تر و تازہ اور ذہن رسا تھا۔ باپ نے آپ کا شوق دیکھ کر فارسی گویا گھول کر پلادی اور عربی کی ابتدائی مروجہ کتابیں بھی گھر ہی میں پڑھا دیں۔ اس کے بعد حالت یہ تھی کہ علم کی پیاس کسی طرح بجھتی ہی نہ تھی۔ اس ذوق نے آپ کو دوسرے خرمنوں کی خوشہ چینی پر آمادہ کیا۔ چنانچہ انیس ۱۹ بیس ۲۰ برس کی عمر میں آپ فیض الحسن منطقی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اساتذہ

اسی زمانے میں محلہ شاہ ولایت کے ایک معزز گھرانے میں آپ کی شادی ہوئی۔ مگر عروسِ ادب کا خیال بہر عنوان غالب رہا۔ گھر بار چھوڑ کر دہلی گئے۔ کچھ عرصہ مفتی صدر الدین آزردہ[۵] صدر الصدور دہلی سے اکتساب کیا۔ قدرے حدیث شاہ احمد سعید مجددی دہلوی سے پڑھی[۶]۔ پھر آخون صاحب[۷] ولایتی سے حدیث کی سند فراغ حاصل کی اور آخر میں مولانا فضل حق[۸] خیر آبادی سے معقولات اور ادب کی کتابیں پڑھیں اور فلسفہ کی تکمیل کی۔ اب آپ فیض الحسن ادیب کے نام سے مشہور ہوئے۔ متذکرہ صدر چاروں استاد اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے جن کے درس کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔

قیام دہلی کے دوران مولانا فیض الحسن کو شیفتہ، صہبائی۔ مومن، ذوق اور غالب کی علمی و ادبی صحبتوں سے مستفید ہونے کا موقع بھی ملا اور آپ نے صہبائی کی شاگردی اختیار کر کے شعر کہنے شروع کیے۔

تعلیمی سفر

دہلی سے نکل کر مولانا فیض الحسن رام پور اور لکھنؤ گئے اور وہاں کے اساتذہ میں کچھ وقت گزار کر فقہ، اصول، معانی اور منطق کی تعلیم حاصل کی[۹]۔ واپس دہلی آکر باقی کسر پوری کی اور وہیں درس و تدریس

ہ۵ پیدائش ۲۴ ربیع الاول ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء بعہد اکبر شاہ ثانی - وفات ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء بروز پنجشنبہ۔

ہ۶ شمع انجمن از نواب صدیق حسن خاں مطبوعہ ۱۲۹۳ھ، ص ۲۷۹ —

ہ۷ پورا نام اخوند شیر محمد - تاریخ وفات ۹ / صفر ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء - آثار الصنادید دہلی مطبوعہ ۱۹۰۰ء، باب چوتھا، ص ۷۱۔

ہ۸ پیدائش ۱۲۱۱ھ/۱۷۹۶ء - وفات ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء - ہ۹ شمع انجمن، مصنفہ نواب صدیق حسن خاں، ص ۳۷۹

کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر اکیس[۲۱] یا بائیس[۲۲] برس کے قریب تھی۔

طالب علمی کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا کی والدہ بیمار ہوئیں۔ رات کا وقت تھا، آپ محلہ ٹولی کے طبیب مظفر حسین کو بلانے گئے۔ انھوں نے آنے میں کچھ عذر کیا۔ مولانا کو سخت ناگوار گزرا۔ اس وقت تو خون کے گھونٹ پی کر چلے آئے۔ پھر ضد کی وجہ سے کئی برس تک خود طب کی کتابیں پڑھتے اور دہلی کے مشہور حکیم امام الدین کی خدمت کرتے رہے جن کے علم و فضل کی بنا پر لوگ انھیں "شیخ ثانی" کہتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں ہوا۔

ادب میں امامت

اس طرح مختلف چشمہ ہائے فیض سے شادکام ہونے کے بعد مولانا فیض الحسن جملہ علومِ ادب۔ فقہ، اصولِ فقہ، حدیث اور طب میں ماہر مانے گئے۔ انھوں نے ہندوستان کے عربی ادب میں عظیم انقلاب پیدا کیا۔ ان سے پیشتر نکتہ آفرینی کو اہمیت دی جاتی اور متاخرین شعرائے عرب کو جن کا سرخیل متنبی ہے شعرائے جاہلیت پر ترجیح دی جاتی تھی، مگر مولانا فیض الحسن نے دنیا ہی بدل دی اور متاخرین سے ہٹا کر طلبہ کو متقدمین شعرائے ادب کی طرف مائل کیا۔ جن کی سادہ اور بے تکلف شاعری تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ حماسہ کا درس پہلے پہل آپ ہی نے شروع کیا اور حماسہ کی شرح فیضی کے نام سے لکھی۔ بقول علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم۔ مولانا اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاکِ ہند نے صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو[۱۰]

اعادۂ کتب میں سرسید کی راہنمائی

مولانا فیض الحسن جب مفتی صدر الدین آزردہ کے درس میں شریک ہوتے تھے تو سرسید احمد خان[۱۱] ان کے ہم سبق تھے۔ تکمیل تعلیم کے بعد سرسید مختلف سرکاری عہدوں پر فائز ہو کر دہلی سے باہر چلے گئے اور ما

---

۱۰ حیات شبلی از سید سلیمان ندوی، ص ۸۰

۱۱ سرسید احمد خاں، ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء کو دلی میں پیدا ہوئے اور ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو علی گڑھ میں فوت ہوئے۔

فروری ۱۸۴۶ء کو فتح پور سیکری سے بدل کر پھر دلی آئے۔ اس وقت ان کی عمر انتیس[۱] برس اور مولانا فیض الحسن کی تیس برس تھی، یہاں آکر سرسید کو خیال آیا کہ جو کتابیں ابتدا میں نہایت کم توجہی یا بے پروائی سے پڑھیں تھیں اور اب بالکل نسیاً منسیا ہو گئی تھیں، ان کو از سر نو غور اور توجہ سے پڑھیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے پہلے تو مولوی نوازش علی مرحوم سے جو دلی میں مشہور واعظ تھے اور تمام درسی کتابیں پڑھاتے تھے کچھ پچھلی پڑھائی تازہ کی اور کچھ فقہ میں مثل قدوری و شرح وقایہ اور اصول فقہ میں شاشی۔ نور الانوار اور ایک آدھا درکتاب پڑھی۔ اس کے بعد انھوں نے مولانا فیض الحسن مرحوم کی طرف رجوع کیا اور ان سے مقامات حریری کے چند مقالے اور سبعہ معلقہ کے چند قصیدے پڑھے[۱۱] چنانچہ یہاں استادی شاگردی کا اثر تھا کہ سرسید مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے۔

۱۸۸۴ کا واقعہ ہے کہ جب سرسید علی گڑھ کالج کے لیے چندہ جمع کرنے کے واسطے لاہور تشریف لائے تو زندہ دلان پنجاب نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ انجمن اسلامیہ لاہور کی طرف سے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ سپاسنامہ لکھنے کی سعادت مولانا فیض الحسن کے حصے میں آئی۔ انھوں نے عربی زبان میں، نہایت فصیح و بلیغ سپاسنامہ رقم فرمایا۔ مولانا ہی سے کہا گیا کہ پڑھ کر بھی سنائیں جس وقت مولانا یہ ایڈریس پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو سرسید نے فوراً ایڈریس کا کاغذ مولانا کے ہاتھ سے لے لیا اور کہا۔ مولانا! آپ (میرے استاد ہیں) آپ تشریف رکھیں میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ ہر چند مولانا اور دوسرے اراکین مجلس نے اصرار کیا مگر سرسید نہ مانے۔ انھوں نے مولانا کو بٹھا دیا اور خود کھڑے ہو کر سپاسنامہ پڑھا[۱۲]

سلسلہ ملازمت

۱۸۵۷ء کے پر آشوب زمانے میں دہلی سے بچتے بچاتے سہارنپور پہنچے اور کچھ عرصہ طب کی آمدنی سے

---

[۱۱] حیات جاوید از مولانا حالی طبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۹۲۲ء، باب دوسرا، ص ۴۶ و سیر المصنفین از محمد یحییٰ تنہا، جلد دوم، مطبوعہ جامعہ ملیہ پریس دہلی ۱۹۲۴ء، ص ۲۹۔

[۱۲] دیباچہ خطبات سرسید مرتبہ سر راس مسعود

بسر اوقات کی مگر کسی نے آپ کی شایان شان قدر نہ کی۔ وہاں سے دل برداشتہ ہو کر علی گڑھ چلے گئے اور چند روز عربی کی بعض کتابوں کا ترجمہ اردو میں کرنے پر مامور ہوئے۔ مگر ان کا مرغ ہمت کسی بلند آشیانے کا طالب تھا۔ آخر موقع ملنے پر لاہور کے اورینٹل کالج میں عربی کے پروفیسر ہو گئے[۱۱۴] مولانا کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے "درس گاہ کے ایک کمرے میں پلنگ لگا دیا گیا۔ مولانا اپنی عادت کے مطابق پڑھاتے اور پڑھاتے پڑھاتے اونگھ جاتے۔ سونے میں خراٹے لینے لگتے۔ شاگرد اپنی اپنی جگہ کتابیں ہاتھ میں لیے بیٹھے رہتے۔ آنکھ کھل جاتی تو جہاں سے سلسلہ منقطع ہوا تھا وہیں سے سر رشتہ میں گرہ لگا کر علم کے موتی پرونا شروع فرما دیتے"[۱۱۵]

اورینٹل کالج لاہور میں مولانا فیض الحسن کی علمیت و فضیلت کے حقیقی جوہر کھلے اور یہ چشمۂ فیض دریائے فیض بن گیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں[۱۱۶]:

تھی فیض کو جو پھولنے پھلنے کی آرزو
یاں تک گل اس نے کھائے کہ پھولوں سے پھل گیا

رسالہ شفاء الصدور کی ادارت

جب اورینٹل کالج سے عربی زبان کا رسالہ شفاء الصدور نکلنے لگا تو اس کی ادارت کے فرائض بھی مولانا ہی کے سپرد ہوئے۔ مولانا نے اس کے ذریعے کالج کے ماحول کو علمی رنگ میں رنگ کر اپنے شاگردوں میں عربی تحریر و انشا کا ذوق پیدا کر دیا اور آپ سے فیض حاصل کرنے والے علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ مولانا کی ایک اردو غزل میں جو مرحوم انجمن پنجاب کے مشاعروں کی یادگار ہے اس ماحول کے متعلق لطیف اشارے ملتے ہیں[۱۱۷]

---

[۱۱۴] پروسیڈنگ (کارروائی) کمیٹی یونیورسٹی منعقدہ ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۰ء، جلد ۶، نمبر ۱۰، ص ۲

[۱۱۵] اورینٹل کالج میگزین، بابت نومبر ۱۹۵۴ء، ص ۱۰۴

[۱۱۶] رسالہ گلدستۂ سخن جزو ۴، بابت مارچ ۱۸۸۰ء

[۱۱۷] رسالہ گلدستۂ سخن، بابت مارچ ۱۸۸۰ء

دھناسری کا نہ یہ وقت ہے نہ ایمن کا — مگر یہ وقت کوئی وقت ہے مرے من کا
یہ وقت وہ ہے کہ اب منچلے ابھر کے چلیں — یہ وقت وہ ہے کہ بدخواہ کا ڈھلے منکا
بناوٹ اس میں نہیں ہے کہ ان دنوں لاہور — پرست بیٹے کا ٹھکانا ہے دوست دشمن کا
وہ لوگ یاں نظر آتے ہیں آج کل کہ کوئی — نہ ان کے میل کا ساتھی نہ ان کے تن من کا
کہیں کہیں سے مشقت اٹھا کے آتے ہیں — کوئی یمن کا مسافر ہے کوئی ارمن کا
عجب نہیں کہ یہاں تربیت کی خواہش ہو — بہار اب کی لائے درخت جامن کا
مرے کلام کو وہ شوق ہے کہ جس سے — [illegible] آج میرا آمن کا

علمی شہرت

یہاں مولانا فیض الحسن سولہ سترہ برس تک علوم مشرقی سکھاتے رہے اور صدہا شاگردوں نے آپ سے فیض پایا۔ بقول صاحب سیر المصنفین مولانا اس زمانہ کے اصمعی اور ابو تمام سمجھے جاتے تھے۔[18] اورینٹل کالج سے آپ کی علمی فتوحات اور درس و تدریس کی شہرت ہندوستان کے تمام علمی حلقوں میں پہنچی۔ یہاں تک کہ علم کے شائق دور دراز گوشوں سے کھنچ کر یہاں آنے لگے۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی[19] مرحوم نے حماسہ آپ سے یہیں لاہور میں آکر پڑھا۔ "ممدوح ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں چھ مہینے مولانا کی صحبت میں رہے۔ دکان (واقع بازار حکیماں بھاٹی دروازہ) سے کالج تک کی مسافت طے کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اسی میں ادبیات کا درس لیا۔" اسی زمانے میں تعطیل ہوئی اور مولانا فیض الحسن صاحب دو ماہ کے لیے سہارنپور اپنے وطن تشریف لے گئے تو اس خیال سے کہ ناغہ نہ ہو، شاگرد رشید نے ساتھ ہی سفر کا ارادہ کیا۔"[20]

مولانا فیض الحسن تعطیلات میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے۔ سہارنپور میں اکثر تفسیر کا

---

[18] سیر المصنفین از محمد یحییٰ تنہا، ج دوم، ص ۲۰۵۔

[19] تاریخ پیدائش ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء۔ وفات ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء

[20] حیات شبلی، ص ۸۲

درس دیا کرتے۔ یہ درس شہر کی جامع مسجد کی جنوبی سہ دری میں ہوتے۔ اب یہ پرانی جامع مسجد کہلاتی ہے۔ مفتی عبداللہ ٹونکی۔ مولانا عبدالعلی مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی اور مولوی محمد اسماعیل میرٹھی یہیں شریک درس ہوتے تھے۔

مولانا کا سب سے بڑا فیض قرآن پاک کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کی نکتہ شناسی تھی۔ وہ اسی اصول سے قرآن پاک کا بامحاورہ اردو ترجمہ اپنے خاص طالب علموں کو پڑھاتے اور فصاحت و بلاغت کے نکتے بتاتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے ندوہ کے ایک جلسہ کی تقریر میں جو چھپی ہوئی ہے اس طرف اشارے کیے ہیں[۱۲]۔

سنینِ اسلام کی تالیف میں مولانا کا حصہ

ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر اورینٹل کالج کے بانی اور پرنسپل تھے۔ وہ عربی اور فارسی کے بڑے دلدادہ تھے۔ انھوں نے جب علوم مشرقی کی تجدید کا بیڑا اٹھایا تو انھیں پرانے نصاب تعلیم میں یہ کمی محسوس ہوئی کہ اس میں تاریخی کتابیں نہیں ہیں۔ بہت سے متبحر عالم عربی ادب اور علوم کے تاریخی پس منظر سے ناواقف اور تاریخ کے معمولی واقعات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس خیال سے انھوں نے عربی کے طالب علموں کے لیے ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں سنینِ اسلام کے نام سے اردو میں اسلام اور عرب کی ایک مختصر سیاسی اور علمی تاریخ لکھی جو دو جلدوں میں ہے۔ اصل کتاب کی تالیف اور اضافہ میں مولانا فیض الحسن، مولوی غلام مصطفیٰ اور مولوی کریم الدین نے مدد کی تھی جس کا اعتراف کتاب کے دیباچہ میں موجود ہے۔ شاید تاریخ کی یہی پہلی کتاب تھی جو عربی خوان طالب علموں کے ہاتھوں میں آئی[۱۳]۔

لاہور میں مطب

قیام لاہور کے زمانہ میں مولانا فیض الحسن مطب بھی کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک سال سخت ہیضہ پھیلا۔ مولانا نے ایک دوا ایجاد کی جو اس مرض کے لیے تیر بہدف ثابت ہوئی۔ طب اور دوسرے علوم میں تبحر کی وجہ سے آپ کا تعلق بعض اسلامی ریاستوں سے بھی تھا۔ چنانچہ رام پور۔ بھوپال۔ بہاولپور وغیرہ کے والی کبھی کبھی مالی

۱۲ھ حیات شبلی، ص ۲۰۰

۱۳ھ ایضاً، ص ۱۳۶

امداد بھی کیا کرتے تھے ۔

وفات

مولانا فیض الحسن ۶ فروری ۱۸۸۷ء/ ۱۳۰۴ھ کو اکہتر برس کی عمر پا کر لاہور میں فوت ہوئے ۔ مولانا نظامی بدایونی نے قاموس المشاہیر[۱۲۵] میں آپ کی تاریخ وفات ۱۸۹۰ء/ ۱۳۰۸ھ لکھی ہے جو غلط ہے ۔ بعض کے نزدیک آپ کا انتقال ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں ہوا ۔ مگر اس کی بھی کسی معتبر ذریعے سے تصدیق نہیں ہوتی ۔ مولانا کے عربی کلام یعنی دیوان الفیض کے مرتب اور جامع مولانا حمید الدین فراہی نے بھی آپ کا سن وفات ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء لکھا ہے اور یہی درست معلوم ہوتا ہے ۔

مولانا کی وصیت کے مطابق لاش تابوت میں ڈال کر ریل کے ذریعے سہارنپور پہنچائی گئی ۔ کئی اسٹیشنوں پر نماز جنازہ ہوئی ۔ سہارنپور میں ان کو اپنے آبائی قبرستان درہ آلی میں سپرد خاک کیا گیا ۔

مولانا کی وفات حسرت آیات پر یوں تو ساری علمی دنیا نے ماتم کیا مگر علامہ شبلی نے جب اپنے فاضل استاد کے انتقال کی خبر سنی تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ۔ وہ اس وقت علی گڑھ کالج میں طلبہ کو درس دے رہے تھے ۔ انھوں نے اسی وقت درس بند کر کے شاگردوں کو رخصت کر دیا اور ایک نہایت دلگداز مرثیہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں :

دریں آشوب غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم — جہانے را جگر خوں شد نہی تنہا نہ من گریم
بہ تحسین صبوری چند بفریبی مرا ناصح — دمے بگزار تا در ماتم فیض الحسن گریم
بمرگش علم و فن در نالہ با من ہمنوا باشد — ہنر بر خویشتن گرید چو من بر خویشتن گریم
دو تا غم دارم و ہر یک ز دیگر حسرت افزا تر — بمرگش گریم و آنگاہ بر مرگ سخن گریم
گہے بے خود بہ برہم گشتن بزم ہنر نالم — گہے بے خویش بر روز سیاہ علم و فن گریم

اولاد و احفاد

مولانا فیض الحسن نے دو شادیاں کیں ۔ پہلی زوجہ کے بطن سے ایک لڑکی ہوئی جو کمسنی میں انتقال کر گئی ۔

---

۱۲۵ قاموس المشاہیر ج ۲، ص ۱۰۰

یہ زوجہ بھی چند سال ہی حیات رہی۔ دوسری بیوی سے دو صاحبزادے رشید احمد اور سعید احمد اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی تا حین تحریر زندہ تھیں لیکن بہت بیمار اور نحیف۔ مولانا کے خلف اکبر مولوی رشید احمد غالباً ۱۹۲۱ء تک اورینٹل کالج لاہور میں منشی فاضل کلاس کے استاد تھے۔ ۱۹۳۸ء میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند مولوی نصر العزیز قریشی جو اورینٹل کالج کے فارغ التحصیل ہیں آجکل سہارنپور میں اپنے آبائی مکان میں مقیم ہیں۔ ان کے پاس مولانا فیض الحسن مرحوم کی بعض نادر تالیفات کے مسودات اب تک موجود ہیں۔

چند نامور شاگرد

مولانا فیض الحسن نے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ سرسید احمد خان، مولانا شبلی نعمانی مولانا حالی پانی پتی[۲۴]۔ مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی[۲۵]۔ مولوی محمد اسماعیل میرٹھی[۲۶]۔ شمس العلما مفتی عبداللہ ٹونکی[۲۷] مولانا حمید الدین فراہی[۲۸]۔ مولوی عبدالعلی مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی۔ مولوی محمد الدین مصنف روضۃ الادبا۔ مولانا

---

[۲۴] مولانا حالی ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں دہلی جاکر پہلے مولوی نوازش علی سے عربی پڑھی پھر مولانا فیض الحسن سے ادب کا درس لیا۔ ۳۱ دسمبر ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء کو فوت ہوئے۔

[۲۵] مولوی وحید الدین سلیم ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۶ء میں مڈل پاس کرنے کے بعد اورینٹل کالج میں داخلہ لے کر عربی ادب اور تفسیر مولانا فیض الحسن سے پڑھی۔ ۲۱ جولائی ۱۹۲۸ء کو ملیح آباد میں انتقال فرمایا۔

[۲۶] ۱۲ نومبر ۱۸۴۴ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ سہارنپور کے مدرسہ میں ملازمت کے دوران میں مولانا فیض الحسن سے عربی ادب کا درس لیا۔ یکم نومبر ۱۹۱۷ء کو راہیٔ ملک بقا ہوئے۔

[۲۷] مفتی عبداللہ ٹونکی نے سہارنپور کی جامع مسجد میں مولانا فیض الحسن سے پڑھا۔ وہ ۷ نومبر ۱۹۲۰ء کو بھوپال میں فوت ہوئے۔

[۲۸] پیدائش ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء۔ وفات ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء۔

اصغر علی روحی[29]۔ حافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ۔ حافظ عبدالرحمٰن دہلوی۔ مولوی عبدالجبار ملکاپوری[30] مصنف تذکرہ محبوب الزمن وغیرہ مولانا کے چند ارشد تلامذہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے دائرے میں سند الوقت تھا اور ان کے نام کا سکہ چلتا تھا۔

شخصیت

مولانا کا رنگ سانولا۔ قد میانہ۔ جسم بھاری۔ چہرہ بڑا اور رعب دار۔ داڑھی گھنی اور سیدھی تھی۔ بہت سادگی پسند تھے۔ لباس نہایت معمولی پہنتے۔ اپنی لیاقت اور واقفیت علوم خواہ مخواہ کسی پر نہ جتاتے۔ دایاں ہاتھ باریک کاموں کے لیے بیکار ہو گیا تھا، بائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔ ابتدائے ہوش سے نماز روزہ کے پابند تھے۔ کھانوں میں کھچڑی اور میووں میں آم اور خربوزے بہت مرغوب تھے۔ بے حد وضع دار اور ملنسار تھے۔ جب کبھی پردیس سے وطن لوٹتے تو تمام اقربا سے خود ملنے جاتے۔ ایک ایک کا حال پوچھتے اور مزاج پرسی کرتے۔ بڑے صاحب ذوق۔ زندہ دل۔ خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے۔ لوگوں کو ہنسانا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ اوائل شباب میں موسیقی سے دل لگا ہوا تھا۔ گانا سننے کے شوق میں بعض اوقات طوائفوں کے ہاں جانے سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے۔ مگر جب حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکیؒ کے مرید ہوئے تو تمام منہیات سے توبہ کر لی۔ پھر تہجد بھی پڑھتے اور پیر۔ جمعرات کے روزے بھی قضا نہ کرتے۔ حج بھی کیا اور ساری عمر اوراد و وظائف میں گزار دی۔

۲۹؎ مولانا اصغر علی روحی اسلامیہ کالج لاہور میں دینیات و ادبیات کے پروفیسر تھے۔ ۱۹۵۴ء میں انتقال کیا۔

۳۰؎ مولوی عبدالجبار ملکاپوری حیدرآباد دکن کے مشہور مؤرخ تھے۔ تذکرہ سلاطین دکن۔ تذکرہ شعرائے دکن (محبوب الزمن) تذکرہ اولیائے دکن کے نام سے چند ضخیم جلدیں شائع کیں۔ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا۔